

قرآن میں دعوت و تبلیغ

نقائص اور طریقہ کار

ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی

پوری دنیاے انسانیت کے لیے اسلام خدائے ذوالجلالی عطا فرمودہ وہ نعمت غیر متروکہ ہے جس کی امانت کا بار شیدایان اسلام کے کاندھوں پر رکھا گیا ہے۔ چونکہ کلمہ حق کے انقلابی بولوں کا دل و زبان سے اقرار و اعتراف کرنے والے، خیر امت، امت وسط اور شُہدائے علی التاب کے الٰہی القلب کے مستحق اسی وقت ہوتے ہیں جبکہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں، اس لیے عظیم ترین معروف ”اسلام“ کی نشرواشاعت اور عالم انسانیت تک اس امانت کی تبلیغ امت مسلمہ کے ہر ہر فرد کے لیے فرض منصبی قرار پاتی ہے۔ علم برداران اسلام کو اللہ کی کتاب پوری انسانی برابری میں اولیت و افضلیت کا مقام دیتی ہے اور ان کی ذمہ داریوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے انتہائی جامع الفاظ میں واضح کرتی ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ (آل عمران ۳: ۱۱۰) ”اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو“۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری مخصوص لباس زیب تن کرنے والے سفید ریشوں، اساتذہ اور علما و فضلا پر ہی نہیں ہے بلکہ ان تمام بندگن خدا پر ہے جو کلمہ طیبہ کے سچے اقرار کے بعد علم برداران اسلام کی صفوں میں آلتے ہیں۔ ہاں چونکہ اللہ تعالیٰ حکیم مطلق اور رحمن و رحیم ہے، اس لیے اس کی حکمت و رحمت کا تقاضا یہ تھا کہ اپنے کسی بندے پر اس کی طاقت سے زیادہ بار نہ ڈالتا۔ چنانچہ جو جس حیثیت کا مالک ہے اور جس کے اندر جتنی اہلیت و استعداد ہے اسی کے مطابق اس سے فریضہ حق کی ادائیگی کا مطالبہ ہوتا ہے: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا - لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (البقرہ ۲۸۴: ۲۸۴) ”اللہ کسی تنفس پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔ ہر شخص نے جو نیکی کمائی ہے، اس کا پھل

اس کے لیے ہے اور جو بدی سمیٹی ہے، اس کا وبال اسی پر ہے۔“

اسلام اللہ تبارک و تعالیٰ کی عظیم ترین امانت ہے۔ یہ امانت اسلام کے کھل نظام زندگی کی شکل میں تمام خطہ ہائے عالم کے برابر ان اسلام تک پہنچائی جائے گی، اس لیے کہ کلمہ حق کے علم برداروں میں ایک بڑی اکثریت فکری اور عملی گمراہیوں میں لوٹ ہونے والوں کی ہے۔ چنانچہ رفتاری اور اصلاحی کوششیں یہاں بھی ناگزیر ہو جاتی ہیں لہذا اسوۂ رسولؐ سیرت صحابہؓ اور دوسرے صحیح دین کی سیرتوں کی روشنی میں ان کی تربیت ہونی چاہیے تاکہ ذہنی، فکری اور عملی لحاظ سے وہ کماحقہ اپنے مذہب کی نمائندگی کر سکیں۔ لیکن ان کے بالمقابل وہ بدگمان خدا جو اسلام سے وابستہ نہیں ہیں یا جو دین کی قدر و قیمت سے آشنا نہیں ہیں، دعوت و تبلیغ کے اصل محور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اللہ کی امانت کا دائرہ امت کی اصلاح کے پہلو سے دفاعی کوششوں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس کا دائرہ کار پوری انسانی برادری پر محیط ہے۔ چنانچہ کفر و شرک میں گرفتار بدگمان خدا کو جب تک دعوت نہیں پیش کی جاتی، اس وقت تک دعوت حق کے فریضے کی ادائیگی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ تب ہی وہ امانت ادا ہوگی جس کے پارے میں روز محشر ہم سے پوچھا گیا۔ اِنَّ اللّٰهَ يَأْتِرُكُمْ اَنْ تَوَدُّواْ الْاٰمَنَاتِ اِلٰی اٰمِلِهَا (النساء: ۵۸:۳۳) ”مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو۔“

مرد مومن یہ سمجھتا ہے کہ معبود حقیقی کا انکار یا اس کی ذات و صفات میں معبودان باطل کی شرکت عظیم ظلم ہے (لقمان: ۱۳:۳۱) اور یہی وہ مذموم عمل ہے جس کے سرزد ہونے کے بعد انسان اشرف المخلوقات کی بلندیوں سے ارنل المخلوقات کی پستیوں میں جا گرتا ہے۔ بندہ مومن کے دل و دماغ پر یہ بات چھائی ہوئی ہوتی ہے کہ غیر اللہ کو خدا کی خدائی کا شریک بنانا، ضروریات و حوادث میں توقعات و اہستہ کرنا اور انسانوں کو معبودان باطل کی پرستش کی دعوت دینا، عظیم ترین گمراہی ہے۔ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِیْبُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (الاحقاف: ۵:۳۶) ”آخر اس شخص سے زیادہ بھکا ہوا انسان اور کون ہو گا جو اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہیں دے سکتے۔“ اس کے برعکس داعی حق، ضلالت و گمراہی سے نکال کر انسانیت کو ہدایت کی شاہراہ دکھاتا ہے، تمام باطل خداؤں کا فساد اتار پھینک کر معبود حقیقی کے آستانے پر جھکنے کی دعوت دیتا ہے۔ اس ضمن میں گھر، ماحول اور معاشرے کے اعتراضات و اختلافات، دھمکیوں اور سازشوں کا نشانہ بھی بنتا ہے اور ان تمام حالات و کوائف کا مقابلہ کرتے ہوئے فریضہ حق کی ادائیگی کو اپنا شیوہٴ حیات قرار دے لیتا ہے اور یہ اس لیے کہ معبود حقیقی کی طرف سے دی گئی بشارت اس کے ذہن و دماغ میں ہر وقت مستحضر رہتی ہے۔ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ اَنْتُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (حم السجدہ: ۳۱:۳۳) ”پھر اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔“

داعی حق کی عظمت پر وہ فرمودات الہی بھی ناطق شہادت ہیں جن میں کفر پر ثبات و اصرار اور صراط مستقیم سے روکنے کو وطیرہٴ حیات بنانے والوں کے لیے مغفرت الہی جیسی عظیم نعمت سے محرومی کا اعلان فرمادیا گیا (محمد ۷: ۳۳) اور اس کے برعکس ایمان و یقین کی دولت سے مالا مال اور خیر و سلامتی کی طرف دعوت دینے والوں کے عمل کو مسعود و مبارک قرار دیا گیا۔ دشوار گزار مراحل میں حوصلہ افزائی، دونوں جہاں کی سرپرستی، سعیت الہی اور روز جزا میں اعمال کی قدر افزائی جیسی نعمتوں کی یقین دہانی کرائی گئی۔ نَحْنُ أَوْلَىٰ بِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهُوْنَ أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدْمُونَ (حم السجده ۳۱: ۳۱) ”ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی۔ وہاں جو کچھ تم چاہو گے تمہیں ملے گا اور ہر چیز جس کی تم تمنا کرو گے وہ تمہاری ہوگی۔“

دعوت کا کام انتہائی اعلیٰ و ارفع کام ہے کیونکہ اس کام کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین دولت، اسلام کو بطور امانت بندگن خدا تک پہنچایا جاتا ہے۔ اس عظیم ترین خدائی نوازش کو جبر و اکراہ کے ساتھ کسی کے سر تھوپنا، دعوت حق اور داعی دونوں کی تذلیل و تحقیر ہے۔ داعی اور دعوت کے مقام کا صحیح اندازہ ان فرمودات الہی سے بھی کیا جاسکتا ہے جن میں ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے طماعت و تسکین کا پیغام دیا گیا ہے۔ مکہ کے پر آشوب اور پر فتن حالات میں نبی کریمؐ یکے و تنہا کھڑے ہوتے ہیں اور ایک خدا کی خدائی کا علم لے کر اعبدواللہ کی دعوت دیتے ہیں۔ داعی اعظمؐ کے سلسلے میں مشرکین کا گھناؤنا کردار، کفر و شرک پر اصرار اور دعوت کو زک پہنچانے کی تمام تر سازشیں بھی واضح ہیں۔ اس کے باوجود آپ صلعم کو خدا کے گمراہ بندوں سے متعلق ہلاکت کی حد تک فکر و تشویش لاحق رہتی ہے۔ لَعَلَّكَ بَاغِعٌ نَفْسَكَ إِلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ (الشعراء ۲۶: ۳۰) ”اے نبیؐ شاید تم اس غم میں اپنی جان کھو دو گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے“ اور ایک جگہ انتہائی شفقت و محبت کے انداز میں آپؐ کی حیثیت سے آپؐ کو باخبر کیا جاتا ہے، إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ (العنكبوت ۲۸: ۵۶) ”اے نبیؐ تم جسے چاہو اسے ہدایت نہیں دے سکتے، مگر اللہ جسے چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے۔“ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ آپؐ کی داعیانہ حیثیت اور اصل ذمہ داری سے متعلق فرماتے ہیں، فَذَكِّرْ - إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ - لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ (الغاشیہ ۸۸: ۲۲-۲۳) ”اچھا تو (اے نبیؐ) نصیحت کیے جاؤ، تم بس نصیحت ہی کرنے والے ہو، کچھ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہو سکتے۔“

داعی کی ذمہ داری تبلیغ و تذکیر ہے۔ اگر داعی سمجھتا ہے کہ اس نے کماحقہ دعوت پیش کر دی ہے اور اس کے تمام نکلت اپنی استعداد کے مطابق مدعو پر بے نقاب کر دیے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اب مدعو کے اصرار اور حق سے انحراف کا معاملہ داعی سے متعلق نہیں رہا، اس کا خمیازہ اسے خود بھگتنا پڑے گا اور داعی کے اجر و ثواب میں ذرہ برابر بھی تخفیف نہ ہوگی۔ بلاشبہ مخلص اور

اللہ کے بندوں سے محبت رکھنے والے داعی کی یہ آرزو بھی ہوتی ہے کہ وہ شاہراہ ہدایت پر چل پڑے لیکن ہدایت اور گمراہی کے معاملات پر اللہ کی حکمرانی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ بالکل ممکن تھا کہ وہ تمام بندگن خدا کو ہدایت یاب کر دیتا لیکن

بَيِّنُو كُمْ كَمَا مَقَّصِدُ فُوتِ هُوَ جَاءَ۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ملاحظہ فرمائیے، 'وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكُوا۔ وَمَا جَعَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا۔ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ (الانعام ۱۰۷)۔' "اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو (وہ خود ایسا بندو بست کر سکتا تھا کہ) یہ لوگ شرک نہ کرتے۔ تم کو ہم نے ان پر پاسبان مقرر نہیں کیا ہے اور نہ تم ان پر حوالہ دار ہو۔"

چونکہ نبی کریم کی بعثت مبارکہ کا مقصد ہی یہ ہے کہ دین حق کو دنیا کے تمام ادیان و مذاہب پر غلبہ و برتری حاصل ہو جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے۔ 'هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظَاهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (المف ۹۷)۔' "وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پورے کے پورے دین پر غالب کر دے خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔"۔

رحمت عالم کے آقائے حقیقی سے جا ملنے کے بعد بعثت عام کے اس مقصد کی تکمیل کے لیے آپ کی امت کے ہر ہر فرد کا فرض منصبی ہے کہ وہ بنی نوع انسان کو اللہ کے دین کی امانت پہنچائے اور دین الہی کو زندگی کے ہر گوشے میں اور دنیا کے ہر خطے میں اپنی استعداد کے مطابق جاری و ساری کرنے کی جدوجہد کرے۔ خواہ اس مقدس مشن کی راہ میں اسے اپنی جان عزیز کا نذرانہ ہی کیوں نہ پیش کرنا پڑے۔ اعلیٰ کلمتہ الحق کی مبارک کوشش ہی امت مسلمہ کی شان امتیاز ہے، جس کی بدولت وہ اللہ تعالیٰ کی عنایات کی مستحق قرار پاتی ہے۔ دعوت دین کی ضرورت، افادیت اور اس کی عظمت سے متعلق مولانا امین احسن اصلاحی کی وضاحت میں وزن ہے:

"یہی فریضہ، نزالت ہے جس کی وجہ سے اس امت کو "خیر امت" کہا گیا۔ اگر مسلمان اس فرض منصبی کو بھلا دیں تو یہ دنیا کی قوموں میں سے بس ایک قوم ہیں، نہ ان کے اندر کوئی خاص خوبی ہے، نہ کوئی خاص وجہ فضیلت اور نہ پھر اللہ تعالیٰ کو اس بات کی پرواہ ہے کہ وہ دنیا میں عزت کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں یا زلت کے ساتھ، بلکہ اس فرض کو فراموش کر دینے کے بعد وہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ایک معتبوب قوم بن جائیں گے جس طرح دنیا کی دوسری قومیں خدا کی طرف سے کسی منصب پر سرفراز کی گئیں تھیں، اپنا فرض انجام نہ دینے کی وجہ سے معتبوب ہو گئیں" (دعوت دین اور اس کا طریقہ کار، ص ۴۱، ۴۲)

دعوت کا کام کوئی پیشہ ورنہ کلام نہیں ہے کہ داعی، شخص، نسلی اور گروہی مفادات کے پیش نظر حق و ناحق، جائز و ناجائز اور حلال و حرام میں سمجھوتہ یا مصالحت کی پالیسی اختیار کرے یا کسی دنیوی حرص و طمع کے دام میں پھنس کر دعوت و تبلیغ کی راہ میں سرگرم عمل ہو۔ خود ستائی کا جذبہ، حصول شہرت کا شوق، دوسروں

کو بنظر استحقار دیکھنا، اپنے آپ کو اعلیٰ و ارفع تصور کرنا اور جاہ و منصب کی تلاش و جستجو، یہ سب وہ مظاہر ہیں جن سے دعوت مجروح ہوتی ہے اور کاروبار کارنگ روپ دھار دھار لیتی ہے۔

دعوت و تبلیغ کی راہ میں سب سے قیمتی اثاثہ اخلاص و للہیت ہے۔ دائرہ اسلام میں شمولیت کے وقت ایک بندۂ خدا کی زبان سے نکلے ہوئے لا الہ الا اللہ کے مقدس بول سے ہی اخلاص و للہیت کی بنیاد رکھ دی جاتی ہے۔ اللہ زاہد کو ہی معبود حقیقی تسلیم کرتے ہوئے ایک شخص دل و زبان سے اعلان کرتا ہے کہ اس کا سر کسی غیر اللہ کے آگے نہیں جھکے گا، وہ غیر اللہ خواہ ذاتی غرض کی شکل میں ہو یا قومی مفاد کی شکل میں یا پھر دنیوی جاہ و منصب کی لالچ کی شکل میں۔ اس کا دل وحدت الہی کا نشیمن بن جاتا ہے اور وہ اپنی جہاں ڈھل اور کردار و عمل سے صرف اللہ واحد کے پرستار ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔ اخلاص کا یہ سرمایہ داعی کو تمام قسم کے ذاتی اور گروہی مفادات کو بنظر حقارت دیکھنے پر ہی نہیں بلکہ نفس کی ذلت و محرومی اور حقوق کی پامالی برداشت کرنے کا حوصلہ افزا پیغام بھی دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کی کتاب داعی حق سے جگہ جگہ مطالبہ کرتی ہے کہ اخلاص و للہیت کے زیور سے آراستہ ہو کر اطاعت الہی میں سرگرم عمل رہو۔

عبادت میں اخلاص و للہیت کے اس عظیم وصف سے آراستگی کا مطالبہ اقوام دیرینہ سے بھی تھا اور مشرکین عرب سے بھی۔ ہادی اعظم اور ان کے رفقاء کی زندگیاں اسی وصف سے مزین تھیں۔ اللہ عزوجل کی کتاب اس جہت سے آج بھی پوری انسانیت کے لیے مشعل راہ ہے۔ عبادت و اطاعت کا علم اٹھانے والوں سے آج بھی مطالبہ ہوتا ہے: وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ (البینتہ ۵:۹۸) اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں، اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے، بالکل یک سو ہو کر۔ چنانچہ قرآنی جیسا مقدس عمل بھی جو خلیل اللہ کی یاد میں انجام دیا جاتا ہے، بے قیمت ہو کر اللہ کے دربار میں شرف قبولیت سے محروم رہتا ہے، جب تک دولت و ثروت کے اشتہار، اعزہ و اقارب اور معاشرے میں شہرت اور دوسرے حقیر مقاصد سے پرے ہو کر صرف اور صرف مالک حقیقی کی خوشنودی کو مطمح نظر نہ مانا جائے۔ اللہ رب العزت کی کتاب میں اس صداقت کا اعلان ہے: كُنْ تَبَّالًا لِلَّهِ لَعُوْمَهَا وَلَا دِيمَاؤُهَا وَلَكِنْ يَتَالَهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ (الحج ۳۷:۲۲) ”نہ ان کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں نہ خون، مگر اسے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔“

اخلاص و للہیت کے بعد فریضہ حق کی انجام دہی کے لیے جو اہم ترین اور ناگزیر ضرورت ہے، وہ ہے تعلق باللہ کی مضبوطی اور استحکام۔ دین حنیف کو تمام ادیان باطلہ اور افکار فاسدہ پر غلبہ و برتری دلانے کا مشن انتہائی اہم بھی ہے اور مشکل بھی۔ اس کی تکمیل کی خاطر داعی حق کو آقائے حقیقی کی طرف رجوع کرنا ہو گا، جو منبع تائید و نصرت اور سرچشمہ رحمت و رافت ہے تاکہ کارزار حیات میں اس کی خطاؤں اور لغزشوں پر اللہ

تعالیٰ خطِ صفحہ پھیر دے اور دعوت کی مبارک جدوجہد کو لیلائے کامرانی کے آغوش سے ہمکنار کر دے۔

تعلق باللہ کی پہلی منزل یہ ہے کہ داعی کو اس بات پر پختہ یقین ہو کہ نافع اور ضار حقیقی معنوں میں صرف اللہ کی ذات ہے، کامیابی و ناکامی سب پر اسی کا اختیار ہے۔ اس استحضار کے ساتھ وہ اگر دعوت کی پر خار وادی میں قدم رکھتا ہے تو وہ یقین کامل کے سرمائے کی بدولت انتہائی ناخوشگوار احوال و کوائف میں بھی یاس و قنوطیت کا شکار نہیں ہوتا اور مغفلات کے حصول میں تملق و چالپوسی کو اپنے قریب نہیں پھکنے دیتا۔ اس تعلق باللہ کی آخری اور اہم منزل یہ ہے کہ داعی ہر شعبہ زندگی میں اور اپنی تمام تر مصروفیات و مشغولیات میں ذکر الہی سے غافل نہیں ہوتا۔ اور وہ: **إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ** (الانعام: ۶۱-۶۲) کے الہی فرمان کا ترجمان بن جاتا ہے۔

تعلق باللہ کے لوازم میں نوافل کا اہتمام ایک لابدی امر ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ سے قربت و تعلق کی بات کھوکھلی اور بے وزن ثابت ہوتی ہے۔ ان نوافل میں بھی تہجد کو منفرد مقام حاصل ہے۔ قرآن پاک میں متعدد مقام پر عبود الرحمن کی جو نمائیاں خصوصیات وارد ہوئی ہیں ان میں ایک اہم خصوصیت یہی ہے کہ وہ راتوں کو نرم گرم بستر کو اللہ تعالیٰ کی خاطر چھوڑتے ہیں، اس سے اپنی والہانہ محبت کا اظہار کرتے ہیں، اپنی غلطیوں پر نادم و پشیمان ہوتے ہیں، کوتاہیوں کی معافی چاہتے ہیں اور دعوت حق کے اس کار عظیم میں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے حصول کے لیے گریہ و زاری میں مصروف رہتے ہیں۔ **وَالَّذِينَ يَبْتُغُونَ لِيَوْمِهِمْ سَجْدًا وَاقِيًا۔ (الفرقان: ۲۵-۲۶)** اللہ کے مخلص بندے وہ ہیں: ”جو اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں۔“ ایسے ہی صالح اور مخلص بندوں کو ایک جگہ اللہ کی کتاب یوں سراہتی ہے۔ **يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ أَنَاذًا أَلِيلٍ وَهُمْ يَسْجُدُونَ (آل عمران: ۳۳-۳۴)** ”راتوں کو اللہ کی آیات پڑھتے ہیں اور اس کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔“ **كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ الَّذِينَ آمَنُوا مَا يَهْمُونَ۔ وَبِالْآسَافِ هُمْ يَسْتَفْزِفُونَ (الذاریات: ۵۱-۵۲)** ”راتوں کو کم ہی سوتے تھے، پھر وہی رات کے پچھلے پہلوں میں معافی مانگتے تھے۔“

دعوت حق کی گراں بار ذمہ داری کی انجام دہی کے مرحلے میں ایک داعی کو قدیم و جدید جاہلیت کے تمام تلخ اثرات و نتائج سے سابقہ پڑتا ہے لیکن اسے چونکہ دعوت حق کی قدیل شب تاریک کی گھنگور گھنگاؤں میں بھی روشن کرنا ہے اس لیے ضرورت ہے کہ داعی جس خدا کی دی ہوئی امانت کا بار اپنے ماتواں کاندھوں پر اٹھانے کے لیے آمادہ ہوا ہے، تمام نرم و گرم، شیریں و تلخ اور خشک و تر مسائل زندگی میں اسی سبب الاسباب سرچشمہ قوت سے وابستہ ہو جائے جس نے اس کی فلاح و کامرانی کا لوہے تقدیر تیار کر رکھا ہے۔ دین اسلام کے نعمت بیش بہا اور اس کے عظیم امانت ہونے کا استحضار، خدا کی عطا فرمودہ دینی و دنیوی برکتوں کا احساس، عظیم ذمہ داری کا بوجھ اور اپنی کوتاہیوں پر ندامت و شرمندگی اگر داعی کا، آہ سحرگاہی کے موضوعات و

مشتملات بن جاتے ہیں تو اس کے یہ اٹک نہامت بارگاہ ایزدی میں قیمتی موتی قرار پاتے ہیں۔

داعی جن امور و معاملات میں مدعو کو اپنا مخاطب بناتا ہے، وہ عموماً مدعو کے حالات، مزاج اور دلچسپیوں سے متضاد و متناقض ہوتے ہیں، اس لیے مخاطب معاشرے کی طرف سے اعتراضات و اختلاف بالکل متوقع ہوتے ہیں، ہاں اختلافات و اعتراضات کی نوعیتوں میں فرق ہو سکتا ہے لیکن مدعو اور معاشرے کے دوسرے مخاطبین کے سامنے داعی کی بے لوثی اگر واضح ہے تو اس کے امکانات بڑھ جاتے ہیں کہ داعی کی دعوت انھیں اپنا حلیف بنا لے۔ اخلاص کا جوہر اگر داعی کے قلب و ضمیر کی زینت بنا ہو تو اس کا زبان حل اور زبان قتل دونوں ہی علی الاعلان گویا ہوتے ہیں: وَمَا اسْتَلْكُم عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ - اِنْ اَجْرِي اِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ (الشعراء ۱۰۹:۲۶) ”میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمے ہے“ اور اخلاص کو مجروح کرنے والے کسی خیال، ترغیب، لالچ اور اکساہٹ پر اللہ رب العزت کی پناہ کا طلبگار ہوتا ہے: وَمَا يَنْزِلُكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ (الامراف ۷:۲۰۰) ”اگر کبھی شیطان تمہیں اکسائے تو اللہ کی پناہ مانگو“۔

داعی حق چونکہ کلمہ طیبہ کے انقلابی بولوں کی روح سے واقف ہوتا ہے، کسی معاملہ زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ کی امانت کا سودا نہیں کرتا اور باطل کے آگے کبھی بھی سپرانداز ہونے کو دعوت اور داعی دونوں کی تذلیل سمجھتا ہے۔ اس لیے خواہشات نفس کے بندوں، آبا و اجداد کے دین کا بھرم رکھنے والوں اور کرسی و اقتدار کے متوالوں کو داعی کی ادا پسند نہیں آتی اور مختلف زاویوں سے سرد و گرم جنگ چھیڑ دیتے ہیں۔ حق کی موجودگی میں باطل کا سامنے آنا، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ آدم علیہ السلام کے مقابلے میں ابلیس لعین، حضرت ابراہیمؑ کے مقابلے میں نمرود، حضرت موسیٰؑ کے مقابلے میں فرعون اور مرشد اعظم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں ابولہب، ابو جہل اور عقبہ و ولید، یہ وہ تاریخی کردار ہیں جنہوں نے حق کے نام لیوا اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے چیدہ چیدہ بندوں کی راہ میں مصائب و مشکلات کے پہاڑ کھڑے کر دیے۔ لیکن اللہ کے یہ معزز بندے صبر و استقلال کے دیوبن کر منزل مقصود کے حصول میں دیوانہ وار بڑھتے رہے اور دعوت و تبلیغ کے مقدس مشن پر کوئی آنچ نہ آنے دی۔ بالآخر اللہ کی معیت انھیں نصیب ہوئی اور وہ دونوں جہاں میں فائز المرام ہوئے۔

دعوت کے ابتدائی مراحل میں جہاں گئے چنے چند نفوس قدسیہ داعی حق کا استقبال کرتے ہیں وہاں ایک کثیر تعداد نفس کے ان بندوں کی ہوتی ہے جن کے مفادات پر ضرب پڑتی ہے۔ پھر وہ کش مکش و خاصمت میں صف آرا ہو کر منحوس ترین اقدامات کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ ایسے حوصلہ شکن مراحل سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے کہ بہوجودیکہ دعوت کماحقہ شرح و بسط کے ساتھ پیش کر دی جاتی ہے لیکن مخاطبین پر

اس کے مثبت اثرات و نتائج مشاہدے میں نہیں آتے بلکہ وہ دعوت سننے سے بھی گریزاں ہوتے ہیں۔ یہ مرحلہ داعی کے لیے بلا ریب صبر آزما ہوتا ہے۔ **وَإِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَسْمَعُوا - وَتَرَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُصِيبُونَ (الاحزاب: ۷۷)** اور اگر تم انہیں سیدھی راہ پر آنے کے لیے کہو تو وہ تمہاری بات سن بھی نہیں سکتے۔ بظاہر تم کو ایسا نظر آتا ہے کہ وہ تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں مگر فی الواقع وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے۔“

داعیان حق کی راہ میں اس قسم کے شائد و محن کا وقوع اللہ رب العزت کی سنت ہے اور اس میں کسی قسم کا تغیر ممکن نہیں۔ **فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَعْوِيلًا (فاطر: ۳۵-۳۴)** ”تم اللہ کے طریقے میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے اور تم کبھی نہ دیکھو گے کہ اللہ کی سنت کو اس کے مقرر راستے سے کوئی طاقت پھیر سکتی ہے۔“ ایسی صبر آزما گھڑیوں میں صبر کا مطالبہ ہوتا ہے۔ **فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرْنَا وَأُولُوا الْعُرْسِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ (الاحقاف: ۳۶-۳۵)** ”پس اے نبی“ صبر کرو جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا ہے اور ان کے معاملے میں جلدی نہ کرو۔“ **فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَا يَسْتَخِفُّكَ الَّذِينَ لَا يوقِنُونَ (الروم: ۳۰-۲۹)** ”پس (اے نبی) صبر کرو، یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے اور ہرگز ہلکا نہ پائیں تم کو وہ لوگ جو یقین نہیں لاتے۔“

داعی سے ایک اور مطالبہ ہوتا ہے ہٹ دھرموں سے اعراض کا، مخاطبین و مدعوین میں بعض تو وہ صالح بندگن خدا ہوتے ہیں جو حقائق سے آگہی کے بعد دعوت اور داعی کو خوش آمدید کہتے ہیں اور ان کے اعمال و کردار صیغۃ اللہ میں رنگ جاتے ہیں۔ بعض ایسے ہوتے ہیں جو پس و پیش و تذبذب کے شکار ہوتے ہیں۔ ان کی طرف سے مثبت یا منفی کوئی فوری رد عمل نہیں ظاہر ہوتا۔ داعی کو یہاں اپنی صلاحیتوں کے مطابق موثر اور دلنشین انداز میں دعوت پیش کرنی چاہیے یہاں تک کہ ان پر سے شک و ریب کی کیفیت ختم ہو جائے اور حقائق کے درپے پوری طرح سے اس کے سامنے کھل جائیں۔ تیسرا گروہ ان افراد پر مشتمل ہوتا ہے جو دعوت حق کی عظمت کو جانتے ہیں اور صداقت ان کے سامنے عیاں ہوتی ہے لیکن آبا و اجداد کے شرف و عظمت کا خیال، ذاتی یا گروہی مفادات کی کشش اور نسلی اور قومی تعصبات کا حصار، ان کی قبولیت حق میں سدراہ بنتے ہیں۔ چونکہ ضد، عناد اور ہٹ دھری ان کا شعار بن جاتا ہے اس لیے داعی کے نصیاح و مواظظ کا ان پر کوئی مثبت اثر نہیں پڑتا۔ مدعو کا قلب و ضمیر زمین شور ثابت ہوتا ہے جبیں موسلا دھار بارش بھی بے سود ثابت ہوتی ہے۔ اس کے برعکس زرخیز زمین میں بارش کے چند قطرے بھی زندگی کی لہر پیدا کر دیتے ہیں۔ دعوت حق بارانِ رحمت ہے۔ بلاشبہ اگر یہ نجر قلب و ضمیر پر برسائی جائے تو اس عطا و بخشش کی تزییل و تحقیر ہے۔ اس لیے قرآن حکیم نے ایسے لوگوں کو جو حقائق کو تسلیم کرنا نہیں چاہتے ہیں اور ضد و ہٹ دھری کی روش پر گامزن ہوں، جاہلین سے تعبیر کیا ہے اور یہ نسخہ تجویز کیا ہے کہ ایسے لوگوں سے سابقہ

پڑ جائے تو ان سے انتہائی شائستگی کے ساتھ اپنا پیچھا چھڑا لیا جائے اور اپنی صلاحیتیں وہاں صرف کی جائیں جہاں سے خوشگوار نتائج برآمد ہونے کی توقع ہو۔ **وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَمًا (الفرقان: ۲۵-۶۳)** ”اور جب جاہلوں سے ان کا واسطہ پڑتا ہے تو سلام کہہ کر گزر جاتے ہیں۔“ **خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (الاعراف: ۱۹۹)** ”اے نبی! نرمی و درگزر کا طریقہ اختیار کرو، معروف کی تلقین کیے جاؤ، اور جاہلوں سے نہ الجھو۔“

قرآن پاک میں انبیاء کی دعوتوں میں ایسے اعراض کی بہت سی شہادتیں موجود ہیں۔ عیسیٰ ابن مریمؑ کے داعیانہ کردار کو پیش کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ کی قوم نے واضح نشانیوں کے باوجود عناد و ہٹ دھرمی کا طریقہ اختیار کیا تو انہوں نے اپنی دعوت کا مخاطب ان لوگوں کو بنایا جو انتہائی پسماندہ تھے اور ان سے انصار اللہ بننے کا مطالبہ کیا۔ ان کے دلوں پر دعوت حق نے فتح و تسخیر کی کندیں ڈال دیں، توفیق الہی ان کے شامل حل ہوئی اور انہوں نے ایمان و ایقان کی نعمت سے سرفراز ہوتے ہوئے نحن انصار اللہ کی مقدس صدائیں بلند کیں۔ قرآن بالاختصار بنی اسرائیلیوں کے انحراف و انکار اور حواریوں کے قبول حق کی تصویر کشی کرتا ہے۔ **إِذْ جِئْتَهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ - وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْمُحَارِبِينَ أَنْ امْنُوا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ - قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ (المائدہ: ۵-۱۱۰-۱۱۱)** ”پھر جب تو (حضرت عیسیٰؑ) بنی اسرائیل کے پاس صریح نشانیاں لے کر پہنچا اور جو لوگ ان میں سے منکر حق تھے انہوں نے کہا کہ یہ نشانیاں جادوگری کے سوا اور کچھ نہیں ہیں تو میں نے ہی تجھے ان سے بچایا، اور جب میں نے حواریوں کو اشارہ کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ تب انہوں نے کہا کہ ”ہم ایمان لائے اور گواہ رہو کہ ہم مسلم ہیں۔“ دعوتی زندگی کی یہ سرگزشت بعض دوسرے مقامات پر بھی بیان کی گئی ہے اور داعیان حق کو اس سرگزشت کی روشنی میں یہ پیغام دیا گیا ہے کہ قوم کے معزز لوگ اگر دعوت حق سے انحراف و سرکشی کا رویہ اختیار کرتے ہیں تو بظاہر یہ حوصلہ شکن اقدام ہوتا ہے لیکن فی الحقیقت اعراض و انکار اور ضد و ہٹ دھرمی کے منحوس نتائج مدعو سے متعلق ہوتے ہیں، داعی کو قنوطیت و مایوسی کا لبلبہ اتار پھینکتے ہوئے بڑے عزم و حوصلے کے ساتھ اس گروہ یا جماعت کے افراد کو اپنا مخاطب بنانا چاہیے جو حق و صداقت کے جوہر ہیں، چاہے یہ طبقہ افراد سیاسی، معاشی اور سماجی لحاظ سے خستہ حالی کا ہی کیوں نہ شکار ہو۔ دعوت حق کے اس طریقہ کار اور اس کے مثبت اثرات و نتائج کو حضرت عیسیٰؑ سے متعلق کرتے ہو اللہ کی کتاب فرماتی ہے، **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِّلْمُحَارِبِينَ مَنْ أَنْصَارِيَ إِلَى اللَّهِ - قَالَ الْمُحَارِبُونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ فَاغْتَابَ اللَّهُ ظِلْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِن بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَفَرَتِ طَائِفَةٌ - فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ مَا هُمْ مُدْبِرُونَ فَاصْبِرُوا ظَمِيرِينَ (الصف: ۶۱-۱۳)** ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کے مددگار بنو، جس طرح عیسیٰؑ ابن مریم نے حواریوں کو خطاب کر کے کہا تھا: ”کون ہے اللہ کی طرف

(بلانے) میں میرا مددگار؟“ اور حواریوں نے جواب دیا تھا: ”ہم ہیں اللہ کے مددگار۔“ اس وقت بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لایا اور دوسرے گروہ نے انکار کیا۔ پھر ہم نے ایمان لانے والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلے میں تائید کی اور وہی غالب ہو کر رہے۔“

مکہ کے پر آشوب اور پُرفتن احوال و کوائف میں نبی اکرمؐ دعوت حق کا علم بلند کرتے ہیں۔ آغاز دعوت میں جہاں کچھ سعید روحیں آپؐ کی دعوت کا استقبال کرتی ہیں وہاں بہت بڑی اکثریت دولت و ثروت، عزت و عظمت اور حکومت و اقتدار کے نشے میں بدست ہو کر دعوت کی بیخ کنی کرنے اور داعی اعظمؐ کا کلام تمام کر دینے کی تپاک کوشش کرنے سے بھی گریز نہیں کرتی۔ لیکن آپؐ کے اس مقدس مشن کی سرگرمی میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آتی بلکہ ان لوگوں کے شاہراہ ہدایت پر آنے کی فکر ان کو ہلاک کیے جاتی ہے۔ کسی بھی سلج کے صاحب مرتبت افراد اور کسی بھی قوم کے معززین کو نمایاں مقام حاصل ہوتا ہے۔ معاشرے کے ان رؤسا کا معاشرے پر ایک رعب ہوتا ہے۔ معاشی لحاظ سے خوشحالی و فارغ البالی کے علاوہ سیاسی اور مذہبی امور و معاملات میں بھی عزت و برتری حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ دعوت دین کے فروغ و اشاعت سے متعلق مصالح کے پیش نظر آپؐ معززین قوم کو اپنی دعوت کا محور خاص سمجھتے ہیں۔ چنانچہ وقت، محنت اور ذہانت کا قیمتی اثاثہ ان حضرات معززین بالخصوص زعمائے قریش کے شکوک و شبہات اور اختلافات و اعتراضات رفع کرنے میں صرف کرتے ہیں لیکن وہ اپنی ضد، ہٹ دھرمی اور انانیت کی بنا پر دعوت حق سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ اور آبا و اجداد کی روش کو ہی سرمایہ انکار سمجھتے ہیں تو اللہ تبارک و تعالیٰ آپؐ سے ہمکلام ہوتے ہیں اور ان سے اعراض کی تلقین فرماتے ہیں، فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ إِنَّهُمْ مُنْتَظِرُونَ (المائدہ: ۳۲-۳۰) ”اچھا! انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو اور انتظار کرو، یہ بھی منتظر ہیں۔“

اللہ کی کتاب اس پر سند ہے کہ ایک موقع کو غنیمت جان کر آپؐ رؤسائے قریش کو خطاب فرما رہے تھے۔ اسی دوران نابینا صحابی حضرت ابن ام مکتومؓ کچھ معاملات و مسائل کی عقدہ کشائی کے لیے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے صحابی مذکور کی بجائے اس دوران مجمع قریش پر ہی توجہ رکھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو آپؐ کا یہ عمل پسند نہ آیا۔ چنانچہ پیار و محبت بھرے انداز میں نصیحت فرمائی کہ ضد اور ہٹ دھرمی کو اپنی زندگی کا وطیرہ بنانے والوں کے بالتقابل جو یائے حق اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس پر توجہ کی جائے اور اس کے مسائل کی گتیاں سلجھائی جائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبؐ کو متنبہ فرماتے ہیں: عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ - أَنْ جَاءَهُ الْأَمْنَىٰ - وَمَا يَدْرِيكَ لَعَلَّهٗ يَزَكِّيٰ (مبس: ۸۰-۸۱-۸۲) ”ترش رو ہوا اور بے رخی برتی اس بات پر کہ وہ اندھا اس کے پاس آگیا۔ تمہیں کیا خبر، شاید وہ سدھر جائے۔“ (جاری)